اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ مہینوں میں جب مسیحی کیتھولک جرائد کے کالم بین المذاہب مکالمے کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے وقف تھے [دیکھیے: پندرہ روزہ "کاتھولک نقیب"، لاہور، ۱۵ دسمبر ۱۹۹۳ء، نیز پاسٹرل انسٹی ٹیوٹ ملتان کا سہ ماہی انگریزی مجلہ "فوکس"، شمارہ ۲ (۱۹۹۳ء)] قومی اسمبلی میں جناب روفن جولیس، عملاً اس کی نفی کر رہے تھے۔ واقعات کے مطابق جب قومی اسمبلی میں مولانا عبدالرحیم چترالی نے مبیّنہ طور پر آقائے نامدار نبی اکرم ﷺ کی خیالی تصویر کی حامل ایک کتاب کی فروخت کا ذکر کرتے ہوئے دورانِ گفتگو میں قومی اسمبلی کو "مسلمانوں کا ایوان" کہا تو جناب روفن جولیس یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ "یہ سارا ایوان مسلمانوں کا نہیں، ہم اقلیتیں بھی موجود ہیں۔" (روزنامہ نوائے وقت، راولپنڈی، ۲۱ دسمبر ۱۹۹۳ء) اس "لقمے" پر مولانا عبدالرحیم چترالی نے قومی اسمبلی کے "مسلمان ایوان" ہونے پر مزید زور دیا اور دونوں ارکانِ اسمبلی کے درمیان تند و تیز جملوں کا تبادلہ ہوا، تاہم بعض دوسرے ارکانِ اسمبلی کی مداخلت پر صورتِ حال مزید خراب ہونے سے بچ گئی۔

جب مولانا عبدالرحیم چترالی نے قومی اسمبلی کو "مسلمان ایوان" قرار دیا تو کیا وہ غیر مسلم اقلیتوں کی نفی کرنا چاہتے تھے؟ کہ جناب روفن جولیس کے لیے اپنے وجود کا احساس دلانا ضروری تھا۔ تھوڑی سی معلومات رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ پاکستان دستوری اعتبار سے "اسلامی جمہوریہ" ہے جس کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ ہر رکن اسمبلی ہی نہیں بلکہ قومی اسمبلی یا کسی صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لینے والا امیدوار بھی اس ملک کے بنیادی نظریے کے تحفظ اور اس کے خلاف کام نہ کرنے کا حلف اٹھاتا ہے۔ محض ڈیڑھ دو فیصد اقلیتی آبادی کے وجود سے پاکستان کی "اسلامیت" ختم نہیں ہو جاتی اور ۹۸ فیصد مسلم آبادی کا نمائندہ ایوان یقیناً "مسلمان ایوان" ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب آقائے نامدار ﷺ کی خیالی تصویر کی حامل کتاب کے درآمد ہونے اور پھر بر سرِ عام فروخت ہونے کے باعث مولانا عبدالرحیم اور دوسرے ارکانِ قومی اسمبلی کے جذبات مجروح تھے تو "سابق کیتھولک مذہبی رہنما" کو اُن کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرنا چاہیے تھا مگر انہوں نے جذبات کو مزید برہم کرنے کا رویّہ اختیار کیا۔

اس موقع پر جناب جے۔ سالک نے بہ ظاہر عقل و شعور پر مبنی مشورہ دیا کہ ایک "اقلیتی اور ایک اکثریتی رکن اسمبلی کے درمیان ٹکراؤ کے نہ صرف اندرونِ ملک اثرات ہوں گے بلکہ اس سے پاکستان کا بین الاقوامی Image بھی خراب ہوگا۔" (روزنامہ "ڈان"، کراچی، ۲۱ دسمبر ۱۹۹۳ء) مگر اُنھوں نے بھی مولانا عبدالرحیم اور عام مسلمان کے جذبات پر پھاہا رکھنے کی کوشش نہ کی اور واقعہ پر ایک لفظ تک نہ

کہا۔ جہاں تک جناب سالک کے اِس نقطۂ نظر کا تعلق ہے کہ اقلیتی ارکانِ اسمبلی یا بحیثیت مجموعی اقلیتوں کے ساتھ اکثریت یعنی مسلمانوں کا رویہ اچھا ہو تو اس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ عام مسلمان ہوں یا اُن کے دینی رہنما، دونوں اقلیتوں کی دل جوئی کرتے ہیں مگر اُنہیں بعض اقلیتی دوستوں سے یہ شکایت ضرور ہے کہ اُن کی زبان و بیان اُس احتیاط کا ساتھ نہیں دیتے جس کی اُن سے توقع رکھی جاتی ہے۔ خود جناب جے - سالک کے بارے میں "بین المذاہب مکالمے" سے دلچسپی رکھنے والے ایک مسلمان نے اپنی تحریر میں اُن کی "بے احتیاطی" اور "تلخ زبان" کی شکایت کی ہے (دیکھیے: ماہنامہ الرشید، لاہور، ۱۹۹۳ء) جناب جے - سالک نے جو مناسب مشورہ دیا ہے، اس پر نہ صرف مسلمانانِ پاکستان کو عمل کرنا چاہیے، بلکہ خود جے - سالک بھی اِس کی لاج رکھ لیں تو بہتر مسلم —— مسیحی تعلقات کے لیے اُن کا یہ مثبت تعاون ہوگا۔

آخر میں جناب روفن جولیس اور دوسرے دوستوں سے گزارش ہے کہ اُنہیں ہر موقع پر وطنِ عزیز کی اساس کو چیلنج نہ کرنا چاہیے، اس سے وہ ملک یا اپنی برادری کی کوئی خدمت انجام نہیں دیتے بلکہ تلخیوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ محبت، اخوت اور رواداری ہی اقلیت و اکثریت کو قریب لا سکتی ہے، نفرت، تلخ کلامی اور ترش رُوئی کے ساتھ "نتائج" کا ذکر کر دینے سے نفرت کے کڑوے کسیلے پھل پیدا ہونے سے نہیں رُک سکتے۔